

پچھتاوا

نور بانو



پچھتاوا



از قلم نور بانو

Copyright: Pachhtawa (Noor Bano) (Writer)

Published by: Safar-e-Adab

Published On: safareadab.com

To get published with us, contact us via email or website:

safareadab.com

khanumaira@safareadab.com

adab@safareadab.com

Note: We don't charge anything to publish online. If anyone charges any kind of fee in order to publish your write-ups in the name of Safar-e-Adab, please don't try to go ahead with them and immediately report them using the contact us button on our website. Thank you



ضروری بات

پچھتاوا کے تمام جملہ حقوق لکھاری "نور بانو" کے نام محفوظ ہیں۔ کہانی کا کوئی بھی حصہ کسی بھی صورت میں کسی دوسرے پلیٹ فارم یا سوشل میڈیا پر پوسٹ کرنے سے پہلے لکھاری کی اجازت درکار ہوگی۔ بغیر اجازت کہانی کا استعمال کرنے والوں پر سخت کاروائی کی جاسکتی ہے۔

اس کہانی اور اس میں موجود کردار محض تصوراتی ہیں۔ کسی بھی حقیقی کہانی یا انسان سے ان کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ کسی بھی طرح کی مشابہت کو اتفاق سمجھا جائے۔



علیزہ کی پہلی ملاقات غفران سے اسکے کزن زبیر کے گھر ہوئی تھی۔ غفران بنادستک کے ہی زبیر کے کمرے میں داخل ہو گیا تو وہ یک دم ٹھٹک کر کرسی سے کھڑی ہو گئی۔ سلکی لمبے بال کندھوں پر سے سرک کر سینے پر پھیلے ہوئے تھے۔ گلابی متورم ہونٹ لمحوں میں دل کی زمین کو سراب کرتے تھے۔ گورے گلابی گال اور اس پر مغرور سی کھڑی ناک، بلاشبہ وہ حُسن کے معیار پر پوری اترتی تھی۔ اس نے بلو جینز کے اوپر گلابی رنگ کی قمیض پہنی ہوئی تھی۔ جو گھٹنوں سے کچھ اوپر تھی۔ جس پر سیاہ رنگ کا دوپٹہ گلے کے ارد گرد لپیٹا ہوا تھا۔ غفران اسے مستفسرانہ نظروں سے گھورنے لگا۔ تو وہ اسکی نظروں کا ارتکاز سمجھتے ہوئے بولی۔ میں علیزہ ہوں زبیر کی کزن، اور آپکی تعریف؟ اسکی بات پر غفران کی سوچوں کا تسلسل ٹوٹا، وہ اچھا میں زبیر کا دوست ہوں۔ میرا نام غفران ہے۔ ابھی ماسکو سے آیا ہوں۔ وہ پاس رکھی کرسی پر براجمان ہو گیا۔

اسکے آخری الفاظ پر علیزہ کا چہرہ اچکا۔۔۔ اوہ آپ بھی۔۔۔ ابھی جملہ اس کے منہ میں ہی تھا کہ زبیر کمرے میں داخل ہوا۔ معاف کرنا ذرا مجھے آنے میں دیر ہو گئی۔ وہ علیزہ کی جانب دیکھتے ہوئے بولا اور غفران کو دیکھتے ہی چونک گیا۔ ارے غفران تم کب آئے ماسکو سے وہ گرم جوشی سے اسے گلے لگاتے ہوئے بولا۔ بس ابھی تھوڑے دن ہوئے ہیں۔ سوچا تم سے ملاقات کر لوں۔ چلو بہت اچھا کیا۔ یہ میری کزن علیزہ ہے۔ یہ بھی کچھ عرصہ پہلے ہی ماسکو سے آئی ہے۔ واقعی۔۔۔؟ وہ چونکا۔۔۔ اسکے چہرے کے بدلتے ہوئے رنگ کو دیکھ کر وہ مسکرا نے لگی۔ جی ہاں مسٹر غفران میں آپکو یہی بتانے والی تھی کہ اتنے میں زبیر آ گیا۔ وہ ایک بار پھر کھل کر مسکرائی تھی۔ تم دونوں سے ہی کافی عرصے بعد ملاقات ہوئی ہے۔ چلو کہیں چل کر لंच کرتے ہیں۔ اچھی گپ لگے گی۔ زبیر پر جوش انداز میں بولا۔

وہ تینوں ایک اچھے سے فاسٹ فوڈ ریسٹورانٹ میں لंच کے لئے گئے۔ اس روزانہ تینوں کے درمیان کافی دلچسپ باتیں ہوئیں۔ علیزہ خوبصورت اور ماڈرن ہونے کے ساتھ ساتھ کافی عقل مند اور سلجھی ہوئی بھی تھی۔ اس شام کی اختتام پر غفران کو یوں لگا کہ یہ اسکی علیزہ سے آخری ملاقات ہے۔ مگر وہ غلط تھا۔ اسکے بعد بھی انکی اکثر ملاقاتیں ہوتی رہتی

تھی۔ وہ تینوں کسی ناکسی ویکنڈ پر سیر سپاٹے پر نکل جاتے تھے۔ علیزہ زندگی کو بھرپور جینے والوں میں سے تھی۔ بالکل کنیز کی گیلی ٹہنی کی طرح پچیلی۔ وہ جب کبھی اپنے دھن میں گنگنائی تو کانوں میں رس گھول دیتی۔ غفران اسے دل ہی دل میں پسند کرنے لگا تھا۔ مگر یہ بات وہ علیزہ کو بتانے میں جھجک محسوس کرتا تھا۔ علیزہ بھی غفران کی نظروں میں اپنے لئے پسندیدگی بھانپ چکی تھی۔ اس نے بڑے دھڑلے سے اپنے جذبات غفران کے سامنے رکھ دیئے۔ اسکے منہ سے اپنے لئے اظہار محبت سن کر غفران کا سینہ احساس تفاخر سے پھول گیا۔ مگر چاہ کر بھی غفران کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ پاکستان آنے سے قبل اسکا نکاح اسکی باس کی بیٹی ثنا سے ہو چکا تھا۔

وہ ایک لمبے عرصے سے ماسکو میں انکی کمپنی میں ملازمت کر رہا تھا اور عام لوگوں کی طرح ترقی کا بھی طلبگار تھا۔ ثنا اچھی خاصی امیر تھی اور ساتھ ساتھ خوبصورت بھی مگر ان سب چیزوں کے باوجود وہ علیزہ کی جانب مکمل طور پر متوجہ ہو گیا تھا۔ وہ چاہ کر بھی اسکے وجود سے اپنی نظروں کو ہٹا نہیں پاتا۔ وہ مسلسل اس کشمکش میں مبتلا تھا۔ کیونکہ ہم ایک ایسے معاشرے میں رہتے ہیں۔ جہاں جذبات ننگے پاؤں دوڑتے ہیں۔ جیسے جیسے وقت دوڑتا گیا۔ علیزہ اور غفران مزید قریب آتے گئے۔ علیزہ ابھی ان معاملات سے بے خبر تھی۔ مگر وہ اسکے وجود کی بے چینی سمجھ چکی تھی۔ اسکے بے حد اسرار پر بھی غفران نے اسے کچھ نابتانے پر ہی اکتفا کیا۔

علیزہ کی سالگرہ نزدیک تھی۔ اس موقع پر غفران اور زبیر نے مل کر علیزہ کے لئے فارم ہاؤس پر ایک اچھی سی سرپرائز پارٹی ارنج کی تھی۔ فارم ہاؤس پر صرف وہ تینوں موجود تھے، فارم ہاؤس شہر سے باہر تھا اور واپسی پر کافی دیر ہو جاتی اور ان دنوں شہر کے حالات ایسے نہیں تھے کہ اس طرح رات میں سفر کیا جائے تو ان تینوں نے ادھر ہی رات گزارنے کا فیصلہ کیا۔ وہ تینوں کچھ وقت باتیں کرتے رہے۔

چل یار غفران بہت رات ہو گئی ہے۔ مجھے تو بہت نیند آرہی ہے میں تو چلا سونے۔ وہ آنکھوں کو مسلتا ہوا کاؤچ سے اٹھ کھڑا ہوا اور اوپر کمرے میں جا کر سو گیا۔ اب وہ دونوں تنہا لاؤنج میں بیٹھے تھے۔ کھڑکی سے چاند کی روشنی چھن کر فرش پر دونوں کا عکس بنا رہی تھی۔ ساون کا مہینہ تھا۔ بارش کی بوندیں آبشار کی طرح دل کی زمین کو بادۂ محبت سے

سرشار کر رہیں تھی۔ وہ چھینپ گئی اور صوفے سے اٹھ کر کمرے کی جانب بڑھنے لگی تو غفران نے اسکا ہاتھ آہستگی سے تھام لیا۔ اچانک بجلی چمکی اور وہ ہلکی سی چیخ مار کر غفران کی بانہوں میں سمٹ گئی۔ اسکے بدن کی کپکپاہٹ اسکے روم روم میں سنسنی پیدا کر رہی تھی۔ وہ غفران سے دور جانے کی کوشش کرتی رہی مگر اسکے سراپہ حسن کے آگے وہ بالکل اندھا ہو گیا اور اپنی تمام حدیں توڑتا چلا گیا۔ علیزہ ہر گز ایسا نہیں چاہتی تھی۔ ماسکو میں پڑھنے لکھنے کے باوجود بھی وہ اپنی حدیں جانتی تھی۔ فارم ہاؤس بھی وہ زبیر کے اسرار پر آئی تھی۔ اس نے غفران کو روکنے کی بھرپور کوشش کی مگر وہ اپنے ہوش و حواس بھلا چکا تھا۔ کچھ دیر بعد جب اس نے ہوش کا دامن سنبھالا تو دیکھا کہ علیزہ کچھ ہی فاصلے پر بیٹھی سسکیاں لے رہی ہے۔ وہ اپنی حرکت پر بے حد شرمندہ ہوا۔ اور علیزہ کی دل جوئی کرنے لگا۔ اور اُس کے آنسوؤں کی تاب نالا تے ہوئے اس سے شادی کا وعدہ کر لیا۔ اس کے وعدے نے اس کے وجود پر ایک سکون طاری کر دیا مگر غفران کو اندر سے مضطرب کر دیا۔ اگلے روز وہ تینوں فارم ہاؤس سے واپس گھر چلے گئے۔ غفران کے منع کرنے پر علیزہ نے زبیر کو کچھ نہیں بتایا۔ مگر اُس روز کے بعد غفران ایک عجیب کشمکش میں مبتلا ہو گیا۔ وہ علیزہ کو چاہتا تو تھا۔ مگر زندگی بسر کرنے کے لئے چاہت پوری نہیں پڑتی۔ ایک جانب اسکی چاہت تھی اور دوسری جانب اسکا ایک حسین مستقبل، جس کے لئے اُس نے بہت محنت کی تھی۔ اس کے دل میں مستقبل کو لے کر عجیب و غریب خدشات جنم لینے لگے۔

غفران نے کافی بار علیزہ کو حقیقت بتانے کی کوشش کی مگر وہ ہر بات کہیں نا کہیں سے اُن دونوں کے مستقبل سے جوڑ دیتی۔ ناجانے غفران کو کیا ہو گیا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ علیزہ سے بے زار ہونے لگا۔ ہر گزرتے وقت کے ساتھ وہ اُسے بد صورت لگنے لگی۔ حالانکہ اس کو خوبصورت سمجھنے والوں کی کمی نہیں تھی۔ وہ اب مزید اس الجھن میں نہیں رہہ سکتا تھا۔ اس نے واپس ماسکو چلے جانے میں ہی بہتری سمجھی۔ اس نے اپنا فون بند کر دیا اور کسی کو بنا بتائے۔ ماسکو واپس چلا گیا اور ایک نئے سرے سے ثنا کے ساتھ زندگی شروع کی۔ اس دوران علیزہ نے اُس سے رابطہ کرنے کی ہر ممکنہ کوشش کی۔ مگر سامنے سے کوئی رد عمل موصول نہیں ہوا۔

علیزہ مکمل طور پر ٹوٹ گئی تھی۔ وہ ایسا سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ غفران اسکے جذبات کو اس طرح اپنے پیروں تلے روند کر چلا جائے گا۔ دوسری جانب غفران اسے مکمل طور پر نظر انداز کر کے اپنی زندگی میں مصروف ہو گیا۔ وہ خود بھی اکثر اپنے آپ سے سوال کرتا کہ جس عورت پر وہ اپنا دل ہار بیٹھا تھا۔ اس پر اسے ایک پل کے لئے بھی ترس کیوں نہیں آیا۔ وہ علیزہ سے کو سو دور ماسکو میں آکر بس گیا۔ مگر اتنے سالوں میں بھی اسکے خیال سے پیچھا نہیں چھڑا پایا۔ اس نے خود کو ثنا کے ساتھ ایک نارمل زندگی گزارنے میں مصروف کر لیا۔ اور اسی کوشش میں زندگی کے تین سال گزر گئے۔

اسکی زندگی سے مانو سکون رخصت ہو گیا۔ اُسے علیزہ کے ساتھ کئے گئے ظلم پر پچھتاوا ہونے لگا۔ غفران نے پاکستان جا کر علیزہ کو ڈھونڈنے کی بہت کوشش کی مگر وہ اُسے کہیں نہیں ملی۔ زبیر کے پتے پر پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہ لوگ بہت عرصہ پہلے ہی یہ محلہ چھوڑ کر کہیں اور شفٹ ہو گئے ہیں۔ اُس نے ماسکو میں بھی اسکے پرانے پتے پر معلوم کرنے کی کوشش کی مگر اُدھر بھی اسکا کچھ پتہ نہیں چل سکا تھا۔ وہ مانو کہی غائب ہو گئی تھی۔ کسی کو بھی اسکے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا۔ غفران کے دل میں اب عجیب و غریب وسوسے پیدا ہونے لگے۔ کہیں علیزہ نے میری بے وفائی کی وجہ سے خود کشی تو نہیں کر لی۔ ان خیالات نے غفران کی نیندیں تباہ کر دی تھیں۔ زندگی کی اس ریل پیل نے اسے تھکا کر رکھ دیا تھا۔ اور اسی کشمکش میں پورے پانچ سال گزر گئے۔ اب تو اسکے ملنے کی امید بھی اسکے دل سے ختم ہو گئی تھی۔ ان پانچ سالوں میں غفران کی ثنا سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ اور شاید یہی وجہ تھی کہ انکی شادی کامیاب ہونے کے باوجود بھی کامیاب نہیں تھی۔ ثنا اچھی لڑکی تھی مگر اُسکے معیار پر پوری نہیں اُتری۔ وہ غفران کو پسند تو تھی مگر اُسے کبھی بھی اُس سے محبت نہیں ہوئی۔ دوسری جانب ثنا کے خیالات بھی غفران کے لئے کچھ ایسے ہی تھے۔ شاید اسی وجہ سے وہ دونوں اولاد جیسی نعمت سے محروم تھے۔ وہ اس طرح کی زندگی سے اکتا گیا تھا۔ اور ثنا کے بیگانہ رویے نے غفران کا جینا محال کر دیا تھا۔

اسکی بے زاری دیکھ کر ثنائے یہ تک کہہ دیا کہ وہ چاہے تو دوسری شادی کر سکتا ہے۔ ثنا کو اس شادی پر کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔ وہ جیسے کسی خلا میں سفر کر رہا تھا۔ کہ اُس روز اس اندھیرے میں روشنی کی کرن نظر آئی۔ وہ شاپنگ مال کی

پارکنگ میں کار پارک کر کے مال کے اندر داخل ہونے لگا تھا کہ اچانک اسکا سانس لمحے بھر کے لئے ساکت ہو گیا۔ وہی لمبے سلکی بال کندھوں پر سے سرک کر سینے پر بکھرے ہوئے تھے۔ سرخ متورم ہونٹ جو دل کی زمین کو لمحوں میں سراب کرتے تھے۔ گورے گال اور وہی مغرور سی کھڑی ناک بلاشبہ وہ آج بھی حسن کے معیار پر پوری اُترتی تھی۔ ہمارے درمیان نظروں کا تبادلہ ہوا۔ ایک ہلکی سی نمی اسکے آنکھوں میں اُتری، سب کچھ ہو بہو پہلے جیسا تھا سو اُسے اسکی آنکھوں کے، اب اسکی آنکھوں میں وہ چمک نہیں تھی۔ اس نے اپنے آنسوؤں کو روکنے کی بھرپور کوشش کی۔ اتنے نزدیک ہونے کے بعد بھی درمیان میں اتنا فاصلہ حائل تھا کہ شناسائی کا شائبہ تک نہیں تھا۔ کچھ لمحے خاموشی کے نظر ہو گئے۔ کہنے کو بہت کچھ تھا مگر ہونٹوں پر قفل لگ گئے۔ اُس نے ہڑبڑا کر راستہ بدلنے کی کوشش کی مگر غفران نے بازو پھیلا کر علیزہ کا راستہ روک لیا۔

علیزہ رُکو میری بات سنو۔۔۔۔۔ غفران نے مضطرب ہو کر کہا۔

کہنے اور سننے کو کچھ نہیں ہے۔ میرا راستہ چھوڑو۔۔۔ اس کے لہجے میں ایک عجیب تھکاوٹ تھی۔

ہم کہیں بیٹھ کر بات کرتے ہیں پلیز۔۔۔ وہ ملتجیانہ انداز میں بولا۔

مجھے دیر ہو رہی ہے غفران ہم پھر کبھی بات کریں گے۔۔۔ وہ بھیگی آواز میں بمشکل بولی۔

BEING THE STRING OF YOUR

KITE

ٹھیک ہے پھر میں تمہیں گھر چھوڑ دیتا ہوں۔۔۔ پلیز علیزہ بیٹھ جاؤ وہ کار کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بضد ہوا۔ اور اسکے بھرپور اسرار کے بعد وہ اسکے ساتھ جانے پر آمادہ ہو گئی۔

تمام راستے وہ کسی نا کسی بہانے علیزہ سے گفتگو کرتا رہا۔ وہ بھی گا ہے بگا ہے کبھی اُسے تو کبھی ونڈا سکرین سے باہر سڑک کو دیکھتی رہی۔ سردی کافی تھی اس لئے گاڑی کا اے۔سی آف تھا۔ علیزہ نے اپنی جانب کا شیشہ نیچے کر لیا۔ ٹھنڈی تھنڈی ہوا گاڑی میں چکرانے لگی۔ مسلسل خاموشی دیکھ کر غفران نے گاڑی کا ایف۔ایم آن کر دیا۔ جس پر مہدی

حسن کی ایک خوبصورت سی غزل لگی ہوئی تھی۔ علیزہ بھی غزل کے ساتھ ساتھ گنگنانے لگی۔ اس نے ایک مدت کے بعد اُسے گنگناتے سنا تو اسے اندازہ ہوا کہ وہ اسکی آواز کا دیوانہ تھا۔

میں نے ان تمام سالوں میں تمہیں ڈھونڈنے کی بہت کوشش کی ہے علیزہ۔۔۔ وہ اپنی خاموشی توڑتے ہوئے بولا، جواب میں اس نے ایک لمبی سانس اپنے پھیپڑوں میں اتار لی اور کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد تامل سے بولی۔۔۔ میں اپنا ماضی بھلا چکی ہوں غفران۔ وہ مدہم سا مسکرائی اور ایسا لگا کہ اسکے دل سے سارا بوجھ اتر گیا ہے۔ اُس لمحے غفران کے دل میں بے ساختہ یہ اُمنگ جاگی کہ یہ سفر کبھی ختم نا ہو۔ علیزہ کو گھر چھوڑنے کے بعد وہ سارا رستہ اُسی کے بارے میں سوچتا رہا۔ اُسے یوں محسوس ہوا کہ جیسے اُسے جینے کی نئی اُمید مل گئی ہے۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اب وہ دوبارہ علیزہ کو خود سے دور جانے نہیں دیگا۔ دوسری شادی کی اجازت تو ثنا پہلے ہی دے چکی تھی۔ وہ ہر چیز سے بے نیاز صرف علیزہ کے جتن کرنے میں مصروف ہو گیا۔

غفران نے علیزہ کو بہت بار ملاقات کرنے کو کہا جس پر ہر بار علیزہ کوئی نیا بہانہ کر دیتی مگر غفران کو اس بات کا اندازہ تھا کہ وہ جان بوجھ کر ایسا کر رہی ہے۔ وہ بھی ٹس سے مس نہیں ہوا اور اُسکی مسلسل کوششوں کے بعد آخر کار وہ لنچ پر ملنے کے لئے آمادہ ہو گئی۔

وہ گھڑی پر ٹمٹمی باندھے بے صبری سے اُسکا انتظار کر رہا تھا۔ اور ٹھیک دو بجے وہ اُسے کیفے کی کھڑکی سے باہر سڑک پر نظر آئی۔ وہ ایک لانگ کوٹ میں ملبوس تھی۔ بالوں کو جوڑے کی شکل دے رکھی تھی اور چہرہ ہلکے میکپ سے سجا ہوا تھا۔ گارڈ نے شیشے کا دروازہ اُسکے لئے کھولا۔ وہ ہال میں طائرانہ نظروں سے غفران کو ادھر ادھر ڈھونڈنے لگی اور پھر اسے دیکھ کر مسکرائی اور اسکے این مقابل آکر بیٹھ گئی۔ آج وہ بالکل مختلف نظر آرہی تھی۔ علیزہ کو دیکھتے ہی غفران کے چہرے پر بشت اُٹھ آئی۔ دونوں نے ویٹر کو آرڈر نوٹ کروایا اور پھر ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔

علیزہ میں تمہارے اس خوشگوار رویے سے بہت کائل ہوا ہوں اور تم سے بے حد شرمندہ بھی ہوں۔ اس لئے میں اپنی زیادتیوں پر تم سے معافی مانگنا چاہتا ہوں۔ وہ اپنی بانہیں ٹیبل پر پھیلاتے ہوئے بولا۔ وہ کچھ دیر اپنی کھلی ہتھیلیوں کو

خاموشی سے دیکھتی رہی پھر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔۔ میں تمہیں معاف کر چکی ہوں۔ اسی لئے تمہارے سامنے بیٹھی ہوں۔ وہ لمحے بھر کے لئے رُکی اور کھڑکی سے باہر دیکھتی رہی۔ پھر نظروں کا زاویہ غفران کی جانب موڑ لیا۔ اسکی آنکھوں میں برسوں کی نمی لمحوں میں خشک ہو گئی۔ وہ صبر کا دامن تھام چکی تھی۔ اُس لمحے غفران نے خود سے وعدہ کیا کہ وہ اب کبھی اسکی آنکھوں میں آنسو نہیں آنے دے گا۔ ویٹر سینڈوچ اور مشروم سوپ ٹیبل پر سجا کر چلا گیا۔ اُنکی ٹیبل ہال کے ایک پرسکون گوشے میں تھی۔ دونوں کے درمیان خاموشی کا ایک مختصر سا وقفہ آیا۔ کیفے سے نکلتے وقت علیزہ نے آہستگی سے غفران کا بازو تھام لیا۔ اُس لمحے غفران کے دل سے تمام خدشات ختم ہو گئے تھے۔ غفران نے اسے گھر چھوڑنے کی ریکویسٹ کی جس پر وہ بنا کسی بہس کے اسکی گاڑی میں بیٹھ گئی۔ وہ علیزہ سے انکے مستقبل کے حوالے سے بات کرنا چاہتا تھا۔ مگر بہر حال اسکے لئے یہی کافی تھا کہ وہ پرانی تلخیوں کو بھلا چکی تھی۔ اب غفران کے لئے تمام فیصلے بہت آسان ہو گئے تھے۔ دوسری جانب ثنا غفران کے اندر آتی اس نئی تبدیلی کو بھانپ گئی تھی۔ اور پھر وہ پہاڑ ٹوٹا جس کی اُسے امید نہیں تھی۔ چاہے شاکتتی ہی بولد اور لا پرواہ تھی مگر تھی تو ایک عورت ہی حالانکہ اس نے خود غفران کو دوسری شادی کی اجازت دی تھی کیونکہ اسے اس بات کا اطمینان تھا کہ غفران کبھی دوسری شادی نہیں کرے گا مگر اب حالات کچھ اور تھے۔ اس نے یہ شرت رکھ دی تھی کہ اگر وہ دوسری شادی کرنا چاہتا ہے تو پہلے اسکو طلاق دے اور ثنا کو طلاق دینے کا مطلب اس عیش و عشرت کی زندگی کو چھوڑنا تھا۔ اس کے اعصاب اب جواب دے چکے تھے۔ اس سے پہلے کے ثنا سے سوچھنے کی مہلت دیتی غفران نے طلاق کے تین بول کہہ کر قصہ ختم کر دیا۔ وہ روتے دھوتے اپنا سامان لے کر اپنے باپ لے گھر چلی گئی۔ اور غفران کے دل سے یہ بوجھ بھی اتر گیا تھا۔ وہ بے صبری سے علیزہ کو اپنے دل کی بات بتانا چاہتا تھا۔

چھٹی کا دن تھا۔ غفران نے راستے سے کچھ پھول خرید لئے تھے۔ وہ علیزہ کو ایک اچھے انداز میں پرپوز کرنا چاہتا تھا۔ آج موسم بھی خوشگوار تھا۔ اُس نے گاڑی ٹھیک اسکے گھر کے سامنے کھڑی کی اور ڈیش بورڈ پر رکھی سرخ ڈبیا اٹھائی جس کے اندر ایک خوبصورت سی ہیرے کی انگھوٹی تھی۔ اس نے وہ ڈبیا کوٹ کے اندرونی جیب میں رکھی اور گاڑی سے

اترا۔ وہ بالکل اسکے سامنے لان میں پانی دیتے ہوئے دکھائی دی۔ وہ عام سے حلیئے میں بھی حسین لگ رہی تھی۔ اس نے گرم جوشی سے علیزہ کو پکارتے ہوئے ہاتھ ہلایا، علیزہ اُسکی آواز کا تعاقب کرتے ہوئے پیچھے مڑی اور چونک سی گئی۔

غفران اسکے حیران چہرے کو دیکھ کر مسکرایا اور اُسکی جانب بڑھنے لگا۔ ان دونوں کے درمیان لکڑی کی لاٹھ والی چھوٹی سی دیوار حائل تھی۔ جس میں سے وہ آدھی چھپی ہوئی اور آدھی دکھائی دے رہی تھی۔ ابھی وہ پھولوں کا گلدستہ اُسکی جانب بڑھانے ہی والا تھا کہ ایک چار سے پانچ سال کی خوبصورت سی بچی جس نے لائیٹ پنک کلر کی فراک پہنی ہوئی تھی۔ دور سے تیز قدموں سے پودے پھلانکتی ہوئی علیزہ کے پاس آئی اور اگلے ہی پل اُسکی بانہوں میں جھول گئی۔

ماما۔ بابا جانی آپکو اندر بلارہے ہیں۔

یہ سنتے ہی غفران کے ہاتھوں سے گلدستہ چھوٹ کر نیچے گر گیا۔ علیزہ نے براہیر است اُسکی آنکھوں میں دیکھا۔

علیزہ تم نے شادی کر لی اور مجھ سے اتنی بڑی بات چھپائی، آخر تم ایسا کیسے کر سکتی ہو میرے ساتھ۔۔۔ وہ بے بسی سے بولا۔ اُس کے آخری الفاظ پر علیزہ کے اعصاب تن گئے۔

میرا سب کچھ داؤد پر لگ چکا ہے علیزہ اب تم مجھے اتنا آگے لا کر خود پیچھے نہیں ہٹ سکتی۔ اسکا لہجہ بالکل بھیگ چکا تھا۔ وہ پانچ سال کی چھوٹی بچی حیران آنکھوں سے کبھی اپنی ماں کو کبھی غفران کو دیکھ رہی تھی۔

تم کس حق سے مجھے یہ سب کہہ رہے ہو آخر تم ہو کون غفران؟ تمہارا کوئی حق نہیں بنتا مجھے یہ سب کہنے کا میں نے تمہیں تمہاری طرح شادی کا جھوٹا سرا نہیں دیا۔ اُسکی شفاف سی ڈھلی آنکھوں میں شکایت اور لہجے میں برہمی تھی۔

تمہیں محبت کا بھرم رکھنا نہیں آتا غفران۔ تم نامیرے ہوئے اور ناہی اپنی بیوی کے ہو سکے۔ اُسکی گردن احساسِ ندامت سے جھک گئی۔ اُسکی آنکھوں سے آنسوؤں کے چشمے پھوٹنے لگے۔ اس نے اپنا چہرہ اپنی ہتھیلیوں میں چھپا لیا۔

غفران۔۔۔ ایک شناسا آواز اُسکی سماعتوں سے ٹکرائی۔ اس نے چہرے سے اپنا بھیگا ہوا ہاتھ ہٹایا اور ٹھٹک کر رہ گیا۔ زبیر کو اپنے سامنے پا کر غفران کے اوسان خطا ہو گئے۔ تہ۔۔۔۔۔ تم؟ وہ بمشکل بول پایا۔۔۔۔۔ ہاں غفران میں۔

زبیر تم میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے، تم میری محبت مجھ سے نہیں چھین سکتے، میں ایسا کرنے کی ہر گز اجازت نہیں دوں گا۔ اس نے زبیر کا گریبان پکڑتے ہوئے کہا، اسکے سینے میں ایک طوفان سا مچ گیا۔

بکو اس بند کرو اپنی۔۔۔ علیزہ نے درشتی سے کہتے ہوئے اسکی گرفت سے زبیر کا گریبان آزاد کروایا۔ کس محبت کا ذکر کر رہے ہو۔ یہاں اب تمہارا کوئی نہیں ہے۔ اس وقت تمہیں میرا خیال نہیں آیا جب تم مجھ سے شادی کے جھوٹے وعدے کر کے چوری چھپے یہاں آ گئے تھے؟ میں کس تکالیف سے گزری ہوں کبھی سوچنے کی کوشش کی؟ تب میرے زوال میں تم کہیں نہیں تھے غفران اس کے لہجے میں بلا کی برہمی تھی۔

علیزہ مجھے بس ایک موقع دو مجھے معلوم ہے تم آج بھی صرف مجھ سے محبت کرتی ہو ورنہ تم کیوں مجھ سے ملنے آتی اور مجھے معاف کرتی۔ وہ بے چارگی سے بولا۔

میں صرف زبیر کے کہنے پر تم سے ملی تھی وہ چاہتا تھا کہ میں تمہیں معاف کر دوں ورنہ بھولی میں کچھ بھی نہیں ہوں۔ اسکے استہزیانے کا عنصر ہوا میں زہر کی طرح پھیل گیا۔ اسکی آواز میں لرزش بتدریج انتہا پر پہنچ گئی۔

غفران کو دل ہی دل میں علیزہ کے ساتھ کئے غیر منصفانہ سلوک پر ملال ہوا۔ وہ مزید بپھرنے کے بجائے اپنا رخ اندر کی جانب پھیر گئی۔ بچی کا ہاتھ ہولے سے اپنے ہاتھ میں لیا اور آہستہ آہستہ قدم بڑھانے لگی۔ زبیر نے ہمدردی سے اسکے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔ غفران میں زبیر کا سامنہ کرنے کی بھی ہمت ختم ہو گئی تھی۔ ابھی اُن دونوں نے چند قدم کا فاصلہ طے کیا ہی تھا کہ اسکے سماعتوں سے اس پانچ سال کی بچی کی آواز ٹکرائی۔

مامیہ وہی تصویر والے پاپا ہیں نا؟ وہ نہایت ہی معصوم بھرے لہجے میں علیزہ سے مستفسر ہوئی تھی۔

غفران نے بوکھلا کر زبیر کی جانب دیکھا تھا۔ اس کا پورا وجود منجمد ہو چکا تھا اور دوسری جانب سکوت طاری تھی۔ وہ ماؤف کھڑا علیزہ اور اپنی بچی کو جاتا ہوا دیکھتا رہا۔ وہ تینوں اسکی نظروں سے ایک ایک کر کے اوجھل ہو گئے۔ اب وہاں کوئی موجود نہیں تھا۔ مگر اسے یوں محسوس ہوا کی جیسے سڑک کے دونوں جانب بلند قامت درخت چلا چلا کر کہہ رہے

ختم شد



سفر ادب کی جانب سے ناولوں کی پی ڈی ایف کاپی کو ہر غلطی سے ماورا بنانے کی پوری کوشش کی گئی ہے۔ کسی بھی طرح کی غلطی پائی جانے پر اسے محض اتفاق سمجھا جائے۔ ہماری ٹیم کے تیار شدہ پی ڈی ایف کے تمام جملہ حقوق سفر ادب کے نام محفوظ کر لیے گئے ہیں۔ کسی ادارے یا شخص کی جانب سے ہمارے کام کو اپنے آفیشل استعمال میں لانے کی کوشش کو غیر قانونی سمجھ کر سفر ادب کی جانب سے کارروائی کی جاسکتی ہے۔

- ٹیم سفر ادب